امام غزالیؒ اور تزکیۂ نفس (۴)

(آخری قسط)

ڈاکٹر محمد امین
سینئر مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
پنجاب یونیورسٹی' لاہور

○ تشکیلِ سیرت

اب تک کی ساری بحث اس حوالے سے ہو رہی تھی کہ فکرِ غزالی کی روشنی میں اس پراسیس (Process) کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جس سے ہمارے افعال وجود میں آتے ہیں کیونکہ افعال کی تکرار سے عادتیں بنتی ہیں اور جیسی عادتیں بنتی ہیں ویسی ہی شخصیت وجود میں آتی ہے۔ اور افعال کے وجود میں آنے کا انحصار خیالات و معتقدات اور ان پر عمل پیرا ہونے کے ارادے سے ہے۔ اس سارے عمل کو ایک فارمولے کی صورت میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

خواطر ← رغبت ← اعتقاد ← ارادہ ← عمل ← عادتیں = شخصیت

مناسب ہو گا کہ ہم ان الفاظ و اصطلاحات کی فکر غزالی کی روشنی میں کچھ تشریح کر دیں۔

(۱) خواطر:

قلبِ انسانی پر جو کچھ گزرتا ہے اسے خواطر کہا جاتا ہے۔ ظاہری اور باطنی حواس مسلسل ہمارے قلب یا نفس پر حسیات اور خیالات کی بارش کرتے رہتے ہیں۔ اگر حواسِ ظاہری کام نہ بھی کریں تو بھی تخیل' تصورات اور یادداشت کا دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ نفس ان کے ذریعے ہمیشہ ایک شے سے دوسری شے کی طرف حرکت کرتا رہتا ہے۔ دل کبھی ایک ہی حالت میں نہیں رہتا۔ حسیات اور افکار کے ساتھ اس کی حالت بدلتی ہے۔ ان حسیات اور افکار کو خواطر کہتے ہیں۔ یہی خواطر ہمارے تمام افعال کا سرچشمہ ہیں اور تمام اعمال کے محرک ہیں۔ نفس جس شے کا ارادہ کرتا ہے یا فیصلہ کرتا ہے اس کا علم بھی اسے خواطر ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔ غزالی اثرات کے لحاظ سے خواطر کی دو قسمیں

© rasailojaraid.com

بیان کرتے ہیں: ایک وسواس' جو شرک کی طرف بلاتے ہیں اور دوسرے الہام' جو خیر کی طرف بلاتے ہیں۔[۸۳]

(۲) رغبت :

خواطر کے بعد دوسری منزل رغبت کی آتی ہے۔ محسوسات اور معقولات دونوں میں اپنے آپ کو عمل میں ظاہر کرنے کا شدید رجحان پایا جاتا ہے۔ ان میں قوت ہوتی ہے کہ انسان میں کسی خواہش کو جنم دیں' اس کے قلب میں کوئی آرزو پیدا کریں۔ اس خواہش و آرزو کا نام رغبت ہے جو عمل کیلئے ایک زبردست محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۳) اعتقاد :

محض خواہشات یا رغبت کا پیدا ہونا عمل کی طرف بڑھنے کے لئے کافی نہیں۔ کوئی خواہش اس وقت تک عملی جامہ نہیں پہن سکتی جب تک کہ قوتِ فکر و تمیز اس کے حق میں فیصلہ نہ دے دے' عقل اس کے فوائد و نقصانات کا جائزہ لینے کے بعد آگے بڑھنے کا حکم نہ دے دے۔ یہ منزل غور و فکر کی منزل ہے جہاں عقل کسی خواہش کو قبولیت عطا کرتی ہے۔ اس سے وہ یقین اور اعتقاد پیدا ہوتا ہے جو عمل کی ایک لازمی شرط ہے۔ اعتقاد گویا قلب کا یہ وثوق ہے کہ اس مرغوب کو فعل میں لانا چاہیئے۔

(۴) ارادہ :

عمل کی چوتھی منزل ارادہ ہے جو ہمیشہ عقلی فیصلے کے تابع ہوتا ہے۔ خلوص اور جذبے کی جس فراوانی کے ساتھ ہم کسی خواہش کے حق کو تسلیم کرتے ہیں اتنی ہی ہمت اور استقلال سے ہم اسے پورا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ عزم اور ارادے کی پختگی کے بغیر کوئی فیصلہ عملی صورت میں نہیں ڈھل سکتا۔ ارادے سے فعل تک حرکتِ نفسی کی چار منزلیں ہیں : (۱) الشعور بالغرض اوالباعث' یعنی غرض (Purpose) کا شعور' (۲) التروی' یعنی تفکیر و عقلی تجزیئے کی منزل' (۳) العزم والتصمیم' یعنی غرض تک پہنچنے کے لئے عزم' جو ارادے کی ثابت قدمی کا نام ہے۔ (۴) التنفیذ یعنی حرکت کا وہ کمال جو سارے عمل کا مقصد ہے۔

ارادے کی حرکت میں بعض لوگ عقلی تحریک کا غلبہ تسلیم کرتے ہیں اور بعض کے

© rasailojaraid.com

نزدیک دواعی اور جبلتوں (الجانب العاطفی والانفعالی) کا غلبہ ہوتا ہے۔ غزالی کا میلان جانب عقلی کی طرف ہے، کیونکہ یہ ان کے نزدیک علم اور قدرت کی درمیانی منزل ہے۔[۸۴] تاہم انہوں نے ارادے میں دواعی (جانب العاطفی والانفعالی) کا انکار نہیں کیا، کیونکہ ان کی رائے میں ہر ارادی عمل میول، خواطر، الہامات، وساوس اور افکار کا مجموعہ ہوتا ہے، ارادہ میول ورغبات کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ عمل کی تکمیل دوافع ومیول کے امتحان ہی سے ممکن ہے اور یہ امتحان بذریعہ ارادہ ہوتا ہے۔

امام غزالی کی رائے میں ارادے کی تین اطراف ہیں :

(۱) جسمانی، جو کیفیات عضویہ وعضلیہ کی صورت میں ارادے میں شریک ہو جاتی ہیں۔

(۲) نفسی، وہ دوافع ومیول جو حرکتِ ارادہ میں حصہ لیتے ہیں۔

(۳) اجتماعی، وہ کیفیات جو عادات اور رسم ورواج سے وابستہ ہیں۔

غزالی کے نزدیک ارادہ اور قدرتِ کار کے مابین ربط ہوتا ہے اور کوئی عضو حرکت نہیں کرتا مگر قدرت کے ساتھ۔ اور قدرت کسی داعیے کے نتیجے کے طور پر ظہور میں آتی ہے اور داعیہ علم یا معرفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پس قدرت تابع ہے ارادے کے اور ارادہ تابع ہے اعتقاد اور معرفت کے حکم کے۔ گویا ارادے کے بغیر عمل کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ارادہ عمل کی روح اور اس کی اساس ہے۔ غزالی کی رائے میں ارادے کی تربیت کی جا سکتی ہے اور وہ توجہ الی اللہ اور اخلاص سے ممکن ہے۔[۸۵]

(۵) عمل :

اعتقاد کے ساتھ جب ارادہ شامل ہوتا ہے تو نوبت تنفیذ تک پہنچتی ہے اور خواہش پایۂ تکمیل کو پہنچ کر عمل کو جنم دیتی ہے۔

یہاں پہنچ کر ہمیں اس سوال کا واضح جواب مل جاتا ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ انسان کو اپنے عمل وارادے میں کس حد تک آزادی حاصل ہے اور اس کی قدرت واختیار کی نوعیت کیا ہے؟ نفسِ امارہ سے نفسِ مطمئنہ تک کے سفر اور اعمال کے مذکورہ بالا چار عناصر (خواطر، رغبت، اعتقاد اور ارادہ) پر اگر غور کیا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اعتقاد و ارادہ اور عمل، یعنی عقل کے کسی بات کا فیصلہ کرنے، ارادے کے اسے قبول کرنے اور اپنی قوتوں کا عمل کی طرف رخ موڑنے میں انسان کو یقیناً اپنے افعال پر قدرت واختیار

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

© rasailojaraid.com

رکھنے کا احساس ہوتا ہے اور اسی اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے وہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ خواہش و غور و فکر کی منزل سے گزر کر جب خیال عقل کی قبولیت حاصل کرلے اور ارادہ اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے مستعد ہو جائے تو اس کو ہم دوسرے الفاظ میں اختیار کہتے ہیں۔ لفظ اختیار' خیر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں اچھا یا بھلا۔ چنانچہ اختیار سے مراد ہے کسی چیز کو خیر سمجھ کر اسکے حق میں فیصلہ کرنا۔ اور جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کوئی فیصلہ خیر پر مبنی ہے تو یہی امر اس پر عمل کرنے کا محرک بن جاتا ہے۔

ارادی فعل کے دو پہلو' یعنی خواطر اور رغبت' انسان کے دائرہ قدرت سے باہر ہیں' یا کم از کم ان پر اسے پورا اختیار حاصل نہیں ہے۔ خواطر انسان کی مرضی کا خیال نہیں کرتے اور ناگزیر طور پر خواہشات کو جنم دیتے ہیں۔ اپنے افعال کے سرچشموں پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ تاہم اس کی عقل کو فیصلہ دینے کی آزادی ہے اور اس فیصلے کو خیر کی حیثیت سے قبول کرنے اور اسے عمل میں منتقل کرنے کا اختیار ہے۔ انسان کے افعال کا تعین کرنے والے بدیہی عناصر یعنی اعتقاد و ارادہ اور عمل اس کے شعور کے اندر جاگزیں ہیں' یہی اس کی آزادی ہے۔ انسان پابند اس لئے ہے کہ لامتناہی امکانات کے دروازے اس پر نہیں کھلے ہیں۔ پہلے سے متعین محدود امکانات کے درمیان ہی اسے انتخاب کا حق استعمال کرنے کا اختیار ہے۔ اس کی اپنی فطرت اور بیرونی حالات یعنی خواطر و رغبت ان امکانات کا تعین کرتے ہیں اور اعتقاد کا ارادہ اور عمل ان امکانات کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق پوری آزادی سے استعمال کرتے ہیں۔

(۶) عادات :

اعمال کا بلا تکلف و تفکر بتکرار اصدار عادت کہلاتا ہے [۸۶]۔ غزالی کے نزدیک کسی فعل کے عادت بننے کے دو مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں فعل بتکلف انجام دیا جاتا ہے' پھر تکرار اور بار بار کرنے سے نفس (اور اس کے قویٰ) اس کے عادی ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ پھر اس فعل کی انجام دہی کے لئے تکلف اور تفکر کی ضرورت نہیں رہتی' بلکہ وہ افعال تلقائی اور مشینی انداز میں بغیر سوچے سمجھے انجام پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کسی عمل کے تکرار سے عادت وجود پذیر ہو رہی ہو تو اس وقت عمل کی کوالٹی بہتر بنائی جاسکتی ہے' لیکن جب وہ محکم عادت کی شکل اختیار کرلیتی ہے تو پھر جیسی

عادت بنتی ہے آدمی اس کو دہراتا چلا جاتا ہے اور اس کی کوالٹی کو بہتر بنانا آسان نہیں رہتا۔ کسی فعل کے عادت بننے کے لئے جو چیز درکار ہے وہ اس کی تکرار یعنی اس کا بار بار کئے جانا ہے' کیونکہ اس کے بغیر نفس اس کو عادت نہیں بنائے گا۔ اور کسی فعل کے بار بار کئے جانے کے لئے محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ محرک انسان کا شوق و میلان' اس فعل کی افادیت اور اس فعل کے بارے میں انسان کے مثبت خیالات اور عقیدہ ہوتا ہے۔

غزالی نے عادات کی تین قسمیں بیان کی ہیں : حرکیہ' خلقیہ' عقلیہ۔ حرکیہ وہ عادات ہیں جن کا تعلق جسمانی حرکات سے ہو' جیسے ایک شخص کا کتابت و خوش نویسی سیکھنا اور بار بار اس کی مشق کرنا۔ خلقیہ عادات وہ ہیں جن کا تعلق اخلاق سے ہو' مثلاً ایک آدمی اگر حلیم اور متواضع بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تکلف سے تواضع اختیار کرے ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے' کسی بات پر غصہ نہ کرے۔ ان افعال پر مسلسل مداومت سے بالآخر وہ حلیم اور متواضع بن جائے گا۔ عاداتِ عقلیہ کی مثال اس شخص کی ہے جو غور و فکر کی عادت ڈالنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیزوں کو سطحی نظر سے نہ دیکھے' بلکہ انہیں تعمق سے دیکھے اور پھر ان پر تدبر کرے' تدبر کا ماحول پیدا کرے۔ اس طرح بار بار تدبر و تفکر کرنے سے بالآخر یہ اس کے مزاج کا حصہ اور اس کی عادتِ ثانیہ بن جائے گا (۸۷)۔ غزالی کے نزدیک عادات کے بننے کا انحصار تکرار پر ہے۔ اس لئے وہ تربیتِ اطفال پر بہت زور دیتے ہیں' کیونکہ یہ عمر عادتوں کے بننے کی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ بچے کی بھرپور نگرانی کی جائے' اسے اچھی تعلیم دی جائے' صالح ماحول مہیا کیا جائے' تاکہ وہ اچھے اعمال ہوتے دیکھے اور ان کی نقل کرے' یہاں تک کہ یہ اس کی طبیعت کا خاصہ اور اس کی مستقل عادت بن جائیں۔

غزالی کہتے ہیں کہ عادت کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ہم اچھی عادت اختیار کریں تو ایک متوازن اور صالح شخصیت وجود میں آجاتی ہے۔ عادتوں کے خود کار (مکینیکل) ہو جانے سے آدمی کی محنت بچ جاتی ہے' مثلاً ہمیں بولنے اور چلنے کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا' لیکن اگر ہمیں بولنے اور چلنے کی عادت نہ پڑ گئی ہوتی تو ہم بڑے ہو کر بھی یہ دونوں عمل سیکھتے ہی رہتے۔ عادتوں سے وقت کی بچت ہوتی ہے' کام سہولت سے' صحیح انداز میں اور جلدی ہو جاتے ہیں (۸۸)۔ اور اگر انسان اپنی حماقتوں سے بری عادتوں میں مبتلا ہو جائے تو

© rasailojaraid.com

یہ عذاب بن جاتی ہیں اور ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

تشکیلِ سیرت کے مدارج

قلبِ انسانی کی چھ قوتیں، شہوت، غضب، تحریک، تفہیم، عقل اور ارادہ انسانی فطرت کے بعض اصولوں سے ماخوذ ہیں۔ عقل انسان کی بنیادی معقول صلاحیت ہونے کے باعث انسان کو تفہیم اور تعقلات کی تشکیل کے قابل بناتی ہے۔ انسان کی ان چھ قوتوں کے برعکس جانوروں میں صرف تین قوتیں موجود ہوتی ہیں جو کہ شہوت، غضب اور تفہیم (Apprehension) پر مشتمل ہیں۔ عقل و ارادہ کی قوتیں انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ غزالی کے نزدیک انسانی فطرت چار عناصر سے عبارت ہے۔ ان عناصر کو عاقل، خنزیر، کتا اور شیطان کہا جا سکتا ہے۔ انسان میں حکیم یا عاقل اس کی عقل ہے، خنزیر شہوت کی علامت ہے، کتا غضب کی مثال ہے اور شیطان اس وحشی کی علامت ہے جو ان دو جانوروں کو عقل کے خلاف بغاوت پر اکساتا ہے۔ مختلف افراد میں یہ قوتیں مختلف تناسب سے موجود ہوتی ہیں۔

غزالی کے نزدیک انسانی روح کے لئے تکمیل کا حصول ممکن ہے، لیکن یہ تکمیل مختلف نموئی مدارج سے گزرنے کے بعد حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان مدارج کو محسوسات، متخیلات، مہمات (Instinctive)، معقولات اور الوہیت کی اصطلاحات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ پہلی سطح پر انسان کی مثال ایک ایسے پروانے کی ہے جو حافظہ سے عاری ہے اور بار بار شمع کے ساتھ ٹکراتا ہے۔ دوسرے درجے میں انسان ایک ادنیٰ جانور کی طرح ہوتا ہے جو ایک مرتبہ چھڑی کی زد میں آنے کے بعد دوبارہ چھڑی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ تیسرے درجے میں انسان ایک اعلیٰ جانور سے مشابہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر ایک گھوڑا جو کہ جبلی طور پر خطرے سے فرار حاصل کرتا ہے۔ چوتھی سطح پر انسان ان حدود سے ماوراء ہوتے ہوئے ایسے معروض کی تفہیم کے بھی قابل ہوتا ہے جو اس کے احاطۂ حواس سے بالاتر ہوتا ہے۔ پانچویں مرحلے پر انسان روحانی حقائق کی تفہیم کے قابل ہوتا ہے، اس مرحلے پر صرف صوفی اور پیغمبر پہنچتے ہیں۔ اس درجے پر روح کی حقیقت اور دوسری روحانی اشیاء کی اہمیت انسان پر ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

غزالی قرآنی اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے روح یا نفس کے اظہار کی تین ممکنہ

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

صورتیں بیان کرتے ہیں[۸۹] :

(۱) نفسِ امارہ

نفس کی یہ حالت منفی رجحان کے غلبے سے عبارت ہے جو حیوانی قوتوں کو بغاوت پر اکساتی ہے۔ عقل جذبات کی غلام بن جاتی ہے اور انسان دن بدن شہوت و غضب کا اسیر بنتا جاتا ہے۔ اس کی تمام استعدادیں منفی سمت سے وابستہ ہو جاتی ہیں اور تخریب اس کی شخصیت کا لازمہ بن جاتی ہے۔

(۲) نفسِ لوامہ

جب انسانی ذات کا الوہی عنصر مسلسل انسان کے منفی رجحان سے بر سرِ پیکار ہو اور انسان کے بُرے اعمال پر اس کا نفس اس کو ملامت کرے تو نفس کی اس حالت کو قرآن کی اصطلاح میں نفس لوامہ 'یعنی سرزنش یا ملامت کرنے والا نفس کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.

(۳) نفسِ مطمئنہ

یہ نفس یا روح کی وہ حالت ہے جب تصادم ہم آہنگی و توازن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ انسان کی حیوانی قوتیں اسکی عقل کے خلاف صف آراء ہوتی ہیں اور عقل پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہے۔ عقل اپنی الوہی صفات کی بدولت ان حیوانی عناصر کو مثبت اور مفید صورتوں میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے۔ عقل جب اس مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے تو شیطانی عنصر کمزور پڑ جاتا ہے اور نفس میں اپنے مقصد و نصب العین کی معرفت جنم لیتی ہے۔ اسکی قوتوں میں توازن پیدا ہو جاتا ہے اور انسان روحانی ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔

غزالی کے نزدیک انسان کا مقام فرشتوں اور جانوروں کے درمیان ہے۔ صرف علم کی بدولت ہی انسان قوتِ امتیاز سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ انسان علم کی بدولت فرشتوں کے مقام تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جبکہ انسان شہوت و غضب سے مغلوب ہو کر جانوروں کے مقام سے بھی گر جاتا ہے۔ علم انسان میں الوہی عنصر کی نشو و نما میں معاون ثابت ہوتا ہے اور اس کے لئے نصب العین کے حصول کو ممکن بناتا ہے۔

علم اور ارادہ جیسی صفات کی بدولت ہی انسانی روح ذاتِ خداوندی تک رسائی

© rasailojaraid.

حاصل کرتی ہے۔ انسان کو علم و ارادہ سے آراستہ کیا گیا ہے۔ علم تقلید، مشاہدہ، منطقی استدلال، مراقبہ اور وجدان کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو علم تقلید سے حاصل ہوتا ہے اس کے لئے وجدانی وثوق ضروری ہے۔ منطقی استدلال خدا جیسے حقائق کے ضمن میں یقین کا احساس دینے سے قاصر ہے۔

کامل علم صرف خدا کی ذات سے وابستہ ہے۔ چنانچہ جس انسان کا علم زیادہ سچائی اور کمال پر مبنی ہو گا وہ قربِ خدا کی جانب زیادہ گامزن ہو گا۔ علم ابدی یا تغیرپذیر ہو سکتا ہے۔ حالات کا علم تغیرپذیر ہے جبکہ ابدی علم ذات و صفاتِ خداوندی جیسے ابدی حقائق کا علم ہے۔ خدا کی ذات کی معرفت ہی وہ علم ہے جسے حقیقی کمال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو شخص یہ علم حاصل کرتا ہے قربتِ خداوندی حاصل کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں جو کمال حاصل ہوتا ہے وہ بعد از موت بھی جاری و ساری رہتا ہے۔ چنانچہ حقیقی مسرت بھی اسی علم سے وابستہ ہے۔

دنیاوی زندگی میں انسان حیاتِ اُخروی کے لئے تیاری کرتا ہے۔ رُوح معرفت و محبتِ خداوندی کے حصول کی خاطر کچھ عرصہ کے لئے اس جہان میں آتی ہے اور جسمِ مادی سے وابستہ ہوتی ہے۔ انسانی بدنی ضروریات سادہ نوعیت کی ہوتی ہیں جن کی تشفی آسان ہے۔ جسم ایسی قوتوں سے مزین ہے جو فائدے کو قبول اور نقصان کو رد کرتی ہیں۔ لیکن بدنی ضروریات کی تکوین کے عمل میں یہ قوتیں بعض اوقات حدود سے تجاوز کرتی ہیں۔ افراط و تفریط کی یہ صورت انسان کی مادی اشیاء سے حد سے زیادہ وابستگی کا باعث بنتی ہے۔ نتیجتاً شہوت و خواہشات جن کا بنیادی مقصد عقل کے زیرِ نگیں عمل پیرا ہونا ہے، عقل کے خلاف بغاوت پر اتر آتی ہیں۔ یہ صورتِ حال رُوح کی علم و محبت اور خدا کی آرزو کے راستے میں مزاحمت پیش کرتی ہے۔

غزالی کے نظریئے کے مطابق کائنات کی ہر شئے کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے، اپنی سرشت میں ایک مقصدِ اعلیٰ کا حامل ہے۔ یہ مقصد سعادت کا حصول ہے جو انسان اپنی تمام فطری استعدادوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حاصل کرتا ہے۔ انسان کے لئے لازمی ہے کہ اپنی ان صلاحیتوں کو ترقی دے جو اس کی خلقی تکمیل کا باعث بنتی ہیں اور ان عناصر پر ضبط قائم کرے جو اس کے راستے کی رکاوٹ

© rasailojaraid.com

بنتے ہیں۔ اوّل الذکر کو غزالی نے فضائل اور موٴخر الذکر کو رذائل کا نام دیا ہے۔ انسان کو اخلاقی نصب العین کے حصول کے لئے ایسے کردار کی ضرورت ہے جو تمام فضائل کا آئینہ دار ہو۔ تمام فضائل میں اعلیٰ ترین فضیلت حُبِّ خداوندی ہے۔

انسانی کمال ایسی صفات کے حصول میں مضمر ہے جو فرشتوں کا خاصہ ہیں۔ اس کی شہوت اور خواہشات کو اس کی عقل کے تابع ہونا چاہئے۔ عقلی زندگی انسان کو اس کے نصب العین کے قریب تر لے جاتی ہے۔

قوائے نفس کی متوازن نمو اور اکتسابِ فضائل

غزالی کے نزدیک نفس کی تین قوتوں، فکر، غضب اور شہوت کی تہذیب و اعتدال ہی دراصل بہترین کردار ہے۔ قوتِ فکر کی تہذیب سے حکمت پیدا ہوتی ہے۔ قوتِ غضب کی میانہ روی سے شجاعت اور قوتِ شہوت کے اعتدال سے عفت کی فضیلت پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ تین قوتیں اعتدال کی حد کے اندر رہ کر اپنا اپنا کام کریں تو ان میں ایک چوتھی فضیلت پیدا ہوتی ہے جسے عدالت کا نام دیا جاتا ہے۔ "میزانِ عمل" میں غزالی نے اِن فضائل اربعہ کی انواع بھی بیان کی ہیں۔

غزالی نے فضائل و رذائل کی جو تقسیم بیان کی ہے اس کی دو بنیادیں ہیں۔ پہلی قسم ان فضائل کی ہے جو کردار سے وابستہ ہیں اور جن کی گروہ بندی مذہب کی بجائے نفسیاتی بنیاد پر کی گئی ہے۔ دوسری صورت قلب سے وابستہ ہے۔ یہ وہ فضائل اور رذائل ہیں جن کا تعین روحانی معرفت سے ہوتا ہے۔ حُبِّ ذات حُبِّ دنیا، حُبِّ الٰہی اور خوفِ خدا کی عدم موجودگی قلبی امراض کا باعث بنتی ہے۔ اس کے برعکس خدا کا خوف، اس کی ذات سے محبت اور اپنی ذات سے عدم محبت تمام فضائل کے لئے اساس کا کام دیتی ہے۔

انسانی صلاحیتوں کی غلط نشوونما اس کے نصب العین کے درمیان رکاوٹ بنتی ہے۔ رذائل یا روحانی امراض کی مختلف اقسام ہیں۔ بعض امراض کا تعلق جسمانی اعضاء سے ہے جبکہ بعض کسی جسمانی حصے سے وابستہ نہیں ہیں، مثلاً غصہ اور حسد وغیرہ۔ بعض بیماریوں کی نوعیت شعوری اور ارادی ہے جبکہ بعض لاشعوری نوعیت کی ہیں۔

غزالی توکّل اور شکر جیسے اخلاقی فضائل کی نفسیاتی اور معالجاتی اہمیت کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ توکّل کا منبع عقیدۂ توحید کی معرفت ہے۔ خدا کی وحدت پر کامل یقین کا نام

© rasailojaraid.com

توحید ہے۔ یہ علم مکاشفہ سے وابستہ ہے۔ توکّل ایک روحانی رویئے کا نام ہے' فکر' وجدان اور واردات جس کے بنیادی عناصر ہیں۔ یہ علم اس عقیدے پر مبنی ہے کہ اللہ ایک ہے' وہی غالب ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں' اس کا رحم کامل ہے اور ہر فرد کے لئے ہے۔ توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ شعوری اور اختیاری ہے' دوسرے درجے کی بنیاد محبت ہے' چنانچہ یہ بے ساختہ اور غیرارادی ہے۔ آخری درجے میں ایمان واعتقاد اس قدر راسخ ہیں کہ محبتِ خداوندی ہرچیز پر غالب آجاتی ہے۔ ایسا انسان صرف خدا کے لطف و محبت کی معرفت کا حامل ہوتا ہے۔

شکر کی فضیلت کی بدولت انسان خدا کی رہنمائی سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ نعمت کو منعمِ حقیقی کی طرف سے سمجھنا' اس نعمت کے سبب دل کا خوش ہونا اور منعم حقیقی کو اس سے جو کام مقصود ہے اس کام میں لانے کے عمل کو شکر کی ماہیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شکر کا حقیقی مقصد قربِ خداوندی ہے۔ چنانچہ تمام نعمتوں کا اسی مقصد کے حصول کے پیشِ نظر استعمال لازم ہے۔

ایک صحت مند شخصیت کے لئے لازم ہے کہ اس میں قوتِ عقلیہ' غضبیہ اور شہویہ باہمی طور پر متوازن حالت میں عمل پیرا ہوں۔ اعتدال کی عدم موجودگی ذہنی بیماری کا باعث بنتی ہے۔ کردار کی تشکیل کا انحصار موروثی رجحانات اور ارادی واختیاری عناصر پر ہے۔ انسانی اعمال کی اخلاقی قدروقیمت کا تعین قوتِ ارادہ پر منحصر ہے۔ ابتداء میں تشکیلِ کردار کے لئے زیادہ عزم وارادہ کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن بتدریج یہ کوشش عادات کا حصہ بن جاتی ہے اور اس میں انسان مسرت محسوس کرتا ہے۔

تشکیل و تعمیر سیرت کے دس سنہری اصول

تکمیلِ سیرت و کردار انسانی ذات کی باطنی نمو سے وابستہ ہے جس کا انحصار تزکیۂ نفس پر ہے۔ غزالی بچپن کی تربیت کو انسانی ذات کی تعمیر کے ضمن میں اہم قرار دیتے ہیں اور اس مقصد کے پیش نظر بچوں کی تربیت کے لئے ایک باقاعدہ پروگرام مرتب کرتے ہیں اور والدین کو ان اصولوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ اصول یقیناً بہترین اور صحت مند شخصیت کی ضمانت ہیں۔

تزکیہ و تصفیۂ قلب کی خاطر غزالی ایک طویل مجاہدے سے گزرے۔ اس مقصد کے

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

لئے ایک دس نکاتی پروگرام پر باقاعدہ عمل کیا۔ چنانچہ صفائے نفس اور ذہنی صحت کی حفاظت و ضمانت کے پیش نظر غزالی فرد کے لئے یہی دس نکاتی پروگرام تجویز کرتے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ فرد کو چاہیئے کہ وہ اپنی نیت ہمیشہ درست و صحیح رکھے اور اس میں کسی موقع پر خلل نہ آنے دے۔ صدقِ نیت ذہنی صحت کی بنیادی شرط ہے۔

۲۔ انسان کو پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اللہ کی اطاعت و بندگی کرنی چاہیئے۔

۳۔ اس کے تمام افعال و اعمال کو زہد و تقویٰ کے معیار پر پورا اترنا چاہیئے۔

۴۔ اس کے دل میں اپنی منزل تک پہنچنے کی لگن ہونی چاہیئے۔ ذوق و شوق کے بغیر یہ راستہ ہرگز طے نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ اسے ہر صورت میں شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنی چاہیئے اور بدعات سے احتراز کرنا چاہیئے۔

۶۔ اسے بندگانِ خدا کے ساتھ عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش آنا چاہیئے کہ سب خدا کے محتاج ہیں۔

۷۔ انسان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگرچہ نجات کا دارومدار ایمان پر ہے تاہم حقیقی خوف و امید اس کے دائرے سے باہر نہیں۔

۸۔ عبادت و ریاضت، مجاہدہ اور تزکیۂ نفس انسان کا شیوہ ہونا چاہیئے۔

۹۔ فرد کو ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ غیر اللہ کا خیال اسکے دل میں نہ آنے پائے۔

۱۰۔ اسے اپنے اندر وہ نظر و بصیرت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو اسے دیدارِ خدا کی منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔

بحالی شخصیت اور تغیر کردار

فطری طور پر ہر شخص کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی سیرت کی تعمیر ان اصولوں پر کرے جو اسے اس کے مقرر کردہ نصب العین تک لے جا سکیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کرداری تشکیل اور سیرت کی تعمیر ان صحیح خطوط پر نہ ہو سکے اور شخصیت صحیح

© rasailojaraid.

توحید ہے۔ یہ علم مکاشفہ سے وابستہ ہے۔ توکّل ایک روحانی رویئے کا نام ہے' فکر' وجدان اور واردات جس کے بنیادی عناصر ہیں۔ یہ علم اس عقیدے پر مبنی ہے کہ اللہ ایک ہے' وہی غالب ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں' اس کا رحم کامل ہے اور ہر فرد کے لئے ہے۔ توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ شعوری اور اختیاری ہے' دوسرے درجے کی بنیاد محبت ہے' چنانچہ یہ بے ساختہ اور غیرارادی ہے۔ آخری درجے میں ایمان واعتقاد اس قدر راسخ ہیں کہ محبتِ خداوندی ہر چیز پر غالب آجاتی ہے۔ ایسا انسان صرف خدا کے لطف و محبت کی معرفت کا حامل ہوتا ہے۔

شکر کی فضیلت کی بدولت انسان خدا کی رہنمائی سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ نعمت کو منعمِ حقیقی کی طرف سے سمجھنا' اس نعمت کے سبب دل کا خوش ہونا اور منعمِ حقیقی کو اس سے جو کام مقصود ہے اس کام میں اسے لانے کے عمل کو شکر کی ماہیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شکر کا حقیقی مقصد قربِ خداوندی ہے۔ چنانچہ تمام نعمتوں کا اسی مقصد کے حصول کے پیشِ نظر استعمال لازم ہے۔

ایک صحت مند شخصیت کے لئے لازم ہے کہ اس میں قوتِ عقلیہ' غضبیہ اور شہویہ باہمی طور پر متوازن حالت میں عمل پیرا ہوں۔ اعتدال کی عدم موجودگی ذہنی بیماری کا باعث بنتی ہے۔ کردار کی تشکیل کا انحصار موروثی رجحانات اور ارادی واختیاری عناصر پر ہے۔ انسانی اعمال کی اخلاقی قدر و قیمت کا تعین قوتِ ارادہ پر منحصر ہے۔ ابتداء میں تشکیلِ کردار کے لئے زیادہ عزم وارادہ کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن بتدریج یہ کوشش عادات کا حصہ بن جاتی ہے اور اس میں انسان مسرت محسوس کرتا ہے۔

تشکیل و تعمیر سیرت کے دس سنہری اصول

تکمیلِ سیرت و کردار انسانی ذات کی باطنی نمو سے وابستہ ہے جس کا انحصار تزکیۂ نفس پر ہے۔ غزالی بچپن کی تربیت کو انسانی ذات کی تعمیر کے ضمن میں اہم قرار دیتے ہیں اور اس مقصد کے پیشِ نظر بچوں کی تربیت کے لئے ایک باقاعدہ پروگرام مرتب کرتے ہیں اور والدین کو ان اصولوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ اصول یقیناً بہترین اور صحت مند شخصیت کی ضمانت ہیں۔

تزکیہ و تصفیۂ قلب کی خاطر غزالی ایک طویل مجاہدے سے گزرے۔ اس مقصد کے

© rasailojaraid.com

لئے ایک دس نکاتی پروگرام پر باقاعدہ عمل کیا۔ چنانچہ صفائے نفس اور ذہنی صحت کی حفاظت و ضمانت کے پیشِ نظر غزالی فرد کے لئے یہی دس نکاتی پروگرام تجویز کرتے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ فرد کو چاہیئے کہ وہ اپنی نیت ہمیشہ درست و صحیح رکھے اور اس میں کسی موقع پر خلل نہ آنے دے۔ صدقِ نیت ذہنی صحت کی بنیادی شرط ہے۔

۲۔ انسان کو پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اللہ کی اطاعت و بندگی کرنی چاہیئے۔

۳۔ اس کے تمام افعال و اعمال کو زہد و تقویٰ کے معیار پر پورا اترنا چاہیئے۔

۴۔ اس کے دل میں اپنی منزل تک پہنچنے کی لگن ہونی چاہیئے۔ ذوق و شوق کے بغیر یہ راستہ ہرگز طے نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ اسے ہر صورت میں شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنی چاہیئے اور بدعات سے احتراز کرنا چاہیئے۔

© rasailojaraid.

۶۔ اسے بندگانِ خدا کے ساتھ عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش آنا چاہیئے کہ سب خدا کے محتاج ہیں۔

۷۔ انسان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگرچہ نجات کا دارومدار ایمان پر ہے تاہم حقیقی خوف وامید اس کے دائرے سے باہر نہیں۔

۸۔ عبادت و ریاضت، مجاہدہ اور تزکیۂ نفس انسان کا شیوہ ہونا چاہیئے۔

۹۔ فرد کو ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ غیر اللہ کا خیال اسکے دل میں نہ آنے پائے۔

۱۰۔ اسے اپنے اندر وہ نظر و بصیرت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو اسے دیدارِ خدا کی منزلِ مقصود تک پہنچادے۔

بحالی شخصیت اور تغیر کردار

فطری طور پر ہر شخص کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی سیرت کی تعمیر ان اصولوں پر کرے جو اسے اس کے مقرر کردہ نصب العین تک لے جاسکیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کردار کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر ان صحیح خطوط پر نہ ہو سکے اور شخصیت صحیح

© rasailojaraid.

راستے سے منحرف ہو جائے تو کیا اس صورتِ حال کی اصلاح ممکن ہے؟ غزالی کے مطابق انسانی سیرت و کردار کی تبدیلی اور ترویج کے لئے ضروری ہے کہ انسان میں کسی نہ کسی حد تک آزادی و اختیار کی صفت موجود ہو۔ بعض انسان یہ نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں کہ سیرت میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ اس کے جواز میں کہ سیرت میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں ہے، وہ دو قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ جس طرح ظاہری صورت میں تبدیلی ناممکن ہے، مثلاً ایک پستہ قد آدمی اپنے آپ کو بلند قامت نہیں بنا سکتا اسی طرح باطنی صورت جس کا نام خُلق ہے، ناقابل تغیر ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حُسن خُلق یا مثبت کردار اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ قوتِ غضبیہ و شہویہ کو بالکل نیست و نابود نہیں کیا جا سکتا۔ غزالی اس نظریئے کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں ـــــ تجربہ شاہد ہے کہ سرکش گھوڑے کو فرمانبردار بنایا جا سکتا ہے۔ تو جب جانوروں کو سدھایا جا سکتا ہے تو پھر انسانی کردار میں تبدیلی کیوں نہیں پیدا کی جا سکتی۔

موجودات کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی ذات میں مکمل ہیں، مثلاً اجرامِ فلکی اور خود انسان وحیوان کے داخلی اور خارجی اعضاء وغیرہ۔ انسان کو ان پر کوئی قدرت و اختیار حاصل نہیں ہے۔ دوسرے وہ جو اپنی ذات میں ناقص و نامکمل ہیں، لیکن ان میں کمال کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ مثلاً ایک بیج بذاتِ خود درخت تو نہیں ہے، لیکن اس کی صحیح نشوونما کی جائے تو وہ ایک مکمل درخت بن سکتا ہے۔ قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہویہ کا شمار اسی قسم کے موجودات میں کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک بیج میں تربیت کے ذریعے تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے تو انسان کے مندرجہ بالا نفسی قویٰ میں کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ تاہم ان فطری قوتوں کی حالت مختلف ہے۔ بعض آسانی کے ساتھ تغیر کو قبول کر لیتی ہیں اور بعض دیر میں اثر پذیر ہوتی ہیں۔ غزالی کے نزدیک اس کے دو سبب ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ قوتیں فطرتاً قوی ہوتی ہیں اور دیر تک انسان میں اپنا عمل جاری رکھنے کی وجہ سے مزید قوی ہو جاتی ہیں۔ انسان کی ان قوتوں میں شہویہ ایک ایسی قوت ہے جس میں بمشکل تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ قوت سب سے پہلے وجود میں آتی ہے۔ پھر غضب کی قوت پیدا ہوتی ہے اور سب سے آخر میں قوتِ تمیز کا ظہور ہوتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان قوتوں کے طبعی اقتضاء کے مطابق عمل کرنے اور ان کے عمل کو پسند

© rasailojaraid

کرنے سے شخصیت اور کردار میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے انسانوں کے چار درجے ہیں۔[۹۰]

(۱) پہلا درجہ اُن سادہ لوح انسانوں کا ہے جن کی سیرت کی ابھی تشکیل نہیں ہوئی ہے۔ یہ لوگ اچھے اور بُرے، مضر اور مفید میں تمیز نہیں کرتے اور شعورِ ذات و تفکر یا عقیدے سے خالی ہوتے ہیں۔ انہیں چونکہ متواتر لذتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل نہیں ہوتا اس لئے ان کی قوتِ شہوانیہ بھی کمزور ہوتی ہے۔ ایسے افراد کی تربیت و اصلاح آسانی سے ہو سکتی ہے۔ ایک رہنما اور محرک کے ذریعے ان میں جلد تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

(۲) دوسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو اچھے بُرے میں تمیز تو کرتے ہیں لیکن مثبت اعمال کے عادی نہیں ہوتے۔ قوتِ شہوی کی اطاعت کرتے کرتے بُرے کام ہی انہیں اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ احتیاط اور مستعدی سے کام لیا جائے تو ان کی اصلاح بھی ممکن ہے۔ منفی عادات کے نظام کو مثبت عادات میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ ایسے افراد میں فکر و شعور موجود ہوتا ہے، لیکن ان کے افعال ان کی ارادی قوت کے مکمل طور پر تابع نہیں ہوتے۔

(۳) تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو کہ بُرے اور منفی اعمال کو مستحسن اور ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی تربیت اسی قسم کے ماحول میں ہوتی ہے۔ اشیاء کی حقیقی ماہیت ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ نچلی سطح کی خواہشات کی تکمیل ہی ان کی زندگی کا حاصل ٹھہرتی ہے۔ ان کی عقلی ذات کی بجائے حیوانی ذات کو تکمیل میسر آتی ہے۔ ایسے افراد کی اصلاح شاذ و نادر ہی ہو سکتی ہے۔

(۴) چوتھی سطح ان لوگوں کی ہے جو بُرائی ہی کو نیکی اور فضیلت سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصلاح سب سے زیادہ مشکل ہے اور یہ اصلاح صرف الوہی قوت کے انقلابی غلبے سے ہی ممکن ہے۔

مندرجہ بالا درجوں میں تیسرے اور چوتھے درجے کے انسانوں کے متعلق ہی قرآن کے الفاظ ہیں: ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ

© rasailojaraid

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○﴾ (البقرہ ۲ : ۷) "اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے"۔

اعلیٰ کردار سے انحراف یا امراضِ نفس

اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے انسان پر لازم ہے کہ وہ ان خصوصیات کی تحصیل کرے جو اسے نصب العین کے قریب لے جائیں۔ اسے لازمی طور پر ان منفی خصوصیات سے احتراز کرنا چاہیئے جو اس کے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ قربِ خداوندی کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار کی بدولت ایک بہترین کردار کی تشکیل کرے جو تمام اخلاقی فضائل کا حامل اور رزائل سے پاک ہو۔ بہترین کردار کا انحصار انسان کی باطنی تکوین اور قوتِ غضب و شہوت اور عقل کی معتدل نشو و نما پر ہے۔ ایک اعلیٰ کردار کی تشکیل کیلئے ان قوتوں کا متوازن انداز میں باہم عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ ان کی معتدل نشو و نما ہی اعلیٰ خصوصیات کے پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے جو ذاتِ انسانی کی روحانی نمو میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس انسانوں کے ان نفسی قویٰ میں افراط و تفریط مختلف نفسی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ نفسی بیماریوں سے مراد ہے صحیح اور معتدل طرزِ عمل سے انحراف جو افراط و تفریط، انتہاپسندی اور غلط رویوں پر مبنی ہو (شرعی لحاظ سے یہ وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسے معصیت اور گناہ کہتے ہیں)۔ غزالی اس کی درج ذیل صورتیں بیان کرتے ہیں :

(۱) قوتِ شہویہ میں افراط و تفریط سے بے حیائی، اسراف، بخل، ریا، اقربا پروازی، بے غیرتی، یاوہ گوئی، حرص، طمع، خوشامد، کمینہ پن، حسد، حقر، شماتت، پُرخوری اور ہوس جیسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) قوتِ غضبیہ میں افراط و تفریط سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں غیر دانشمندانہ اقدام، فضول خرچی، غرور و تکبر، عُجب، استہزاء، استخفاف، تحقیر، عداوت، بغض، ایذا دینا اور فساد پھیلانا شامل ہیں۔

غزالی کو نفسی بیماریوں کی ٹھیک تشخیص اور ان کے علاج کے بارے میں بڑا درک حاصل تھا۔ یہ ان کے اُمہاتِ موضوعات میں سے ہے اور انہوں نے اپنی کئی کتابوں میں ان پر تفصیل سے لکھا ہے۔ احیاء العلوم کا تیسرا جزو مہلکات اسی موضوع

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.